فقه السيرة والسنة

لتعلموا عدد السنين والحساب

سنِ ہجری کا پس منظر

ایم اے کے آزاد

آج: جبکہ یہ سطریں لکھ رہا ہوں، محرم کی تیرہویں تاریخ ہے۔ پورے تیرہ دن اس واقعہ پر گزر چکے ہیں کہ پچھلا ہجری سال ختم ہو چکا ہے اور نیا سال شروع ہو چکا ہے، لیکن ہزاروں لاکھوں مسلمانوں میں شاید ایک شخص بھی ایسا نہ ہوگا جس نے غور کیا ہوگا کہ اس سالانہ اختتام وآغاز میں تاریخ عالم کے کیسے عظیم اور انقلاب انگیز واقعہ کی یاد پوشیدہ ہے؟ وہ عظیم واقعہ جس کی یادآوری سے بڑھ کر تاریخ اسلام کے کسی واقعہ میں بھی ہمارے لئے عبرت کی عظمت اور موعظت کی چشمگی نہیں تھی، مگر جس واقعہ سے بڑھ کر تاریخ اسلام کا کوئی واقعہ بھی ہماری یادداشت سے دور اور ہمارے دل کی اثر پذیریوں سے مہجور رہو گیا ہے!

جماعتی حافظہ اور اس کا مزاج: انفرادی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کے اخلاق اور سیرت (کیریکٹر) کا اندازہ اس کے حافظہ کی افتاد سے کیا جاسکتا ہے۔ ایک نیک سیرت آدمی کے حافظہ میں غیر ضروری اور بری باتوں کی یادداشت کے لئے کوئی جگہ نہیں نکل سکتی لیکن ضروری اور اچھی باتیں وہ کبھی نہیں بھول سکتا۔ برخلاف اس کے ایک بداخلاق آدمی کو کتنی ہی کارآمد اور اچھی باتیں سنائی جائیں لیکن اس کے حافظہ میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں نکلے گی۔ وہ صرف بیکار اور بری باتیں یاد رکھ سکتا ہے۔

یہی حال جماعتوں اور قوموں کے دماغ کا بھی ہے۔ ان کے ادبار وتنزل کی ایک بہت نشانی یہ ہوتی ہے کہ جماعتی حافظہ کا مزاج بالکل الٹ جاتا ہے۔ جو باتیں یاد رکھنی چاہئیں، وہ اس طرح بھلا دی جاتی ہیں کہ بار بار یاد دلانے پر بھی یاد نہیں آتیں اور جو باتیں بھلا دینی چاہئیں وہ نہ صرف یاد رکھی جاتی ہیں، بلکہ ان کی یادآوریوں کا ایسا اہتمام کیا جاتا ہے کہ بھلانے کی کتنی ہی کوششیں کی جائیں، کبھی بھلائی نہیں جاسکتیں! صدر اول کے مسلمانوں کی مذہبی اور جماعتی زندگی سے موجودہ عہد کے مسلمانوں کی زندگی کا مقابلہ کرو تو اس حقیقت کی سب سے زیادہ واضح مثال سامنے آجائے گی۔ اس وقت مسلمان اٹھتے بیٹھتے

جو باتیں یاد رکھا کرتے تھے، آج کسی کو ان کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا اور جو باتیں آج کل کی بے شمار تقریبوں، تہواروں، یادگاروں اور اجتماعوں کے ذریعہ یاد رکھی جاتی ہیں یہ اس وقت کے کسی مسلمان کے وہم وگمان میں بھی نہیں گزری ہوں گی۔ اس وقت ان کا حافظہ صرف وہی چیزیں یاد رکھنی چاہتا تھا، جن کی یادداشت میں ان کی قومی زندگی کے لئے عبرت وموعظت تھی۔ آج ہمارا حافظہ صرف وہی باتیں یاد رکھنی چاہتا ہے جن کی یادداشت میں قومی زندگی کے لئے غفلت واعراض ہے۔ وہ ان چیزوں کو بھول نہیں سکتے تھے جنہیں یاد رکھنا چاہئے، ہم ان چیزوں کو بھلا نہیں سکتے جنہیں ہمیشہ کے لئے بھلا دینا چاہئے!

واقعہ ہجرت:

تاریخ عالم کا یہ عظیم واقعہ جس کی یاد سال کے اس اختتام وآغاز میں پوشیدہ ہے، ہجرت نبوی کا واقعہ ہے، کیونکہ پہلی محرم سے نیا اسلامی سال شروع ہوتا ہے اور اس کی بنیاد واقعہ ہجرت پر رکھی گئی ہے۔ ہر سال جب ۳۰ ذوالحج کا دن ختم ہوتا اور پہلی محرم کا چاند طلوع ہوتا ہے، تو وہ اس عظیم واقعہ کی یاد ہمارے دلوں میں تازہ کردینی چاہتا ہے، یہ فی الحقیقت اس واقعہ کی ایک جاری وقائم یادگار ہے!

یہ دنیا کی تمام یادگاروں کی طرح قوت کی کامرانیوں کی یادگار نہیں ہے بلکہ کمزوری کی فتح مندیوں کی یادگار ہے۔ یہ اسباب ووسائل کی فراوانیوں کی یادگار ہے، بے سروسامانیوں کی کامیابیوں کی یادگار ہے، یہ طاقت اور حکومت کے جاہ وجلال کی یادگار ہے، یہ فتح مکہ کی یادگار نہیں ہے جسے دس ہزار تلواروں کی چمک نے فتح کیا تھا، یہ فتح مدینہ کی یادگار ہے جسے تلواروں کی چمک نے نہیں بلکہ ایک آوارہ غربت اور بے سروسامان انسان کی روح ''ہجرت'' نے فتح کیا تھا! تم نے بدر کی جنگی فتح اور مکہ کے مسلح داخلہ کی شان وشوکت ہمیشہ یاد رکھی ہے۔ لیکن تم نے مدینہ کی بے ہتھیار کی فتح فراموش کردی، حالانکہ تاریخ اسلام کی ساری آنے والی فتح مندیاں اسی اولین فتح میں ایک بیج کی طرح پوشیدہ تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ظاہری فتح مندیوں کے اعلان کا وقت آیا تھا، تو اس وقت اسی معنوی فتح مندی کی یاد لوگوں کو دلائی گئی تھی۔

ثانی اثنین اذ هما فی الغار اذ یقول لصاحبه لا تحزن، ان الله معنا! فانزل الله سکینته علیه و ایده بجنود لم تروها، وجعل کلمة الذین کفروا السفلی، وکلمة الله هی العلیا، والله عزیز حکیم! (۹:۴۰)

تذکار محرم:

اسی ہجری سنہ کے ساٹھویں برس کربلا کا حادثہ ظہور میں آیا۔ یہ حادثہ اس درجہ المناک اور درد انگیز تھا اور اس کے سیاسی اثرات اس درجہ قوی اور وسیع تھے کہ جوں جوں وقت گزرتا گیا اس کی یاد ایک ماتمی یادگار کی حیثیت اختیار کرتی گئی یہاں تک کہ محرم کے درود کی تمام یاد آوریاں صرف اسی حادثہ کے تذکرہ وتالم میں محدود ہوگئیں اور دوسرے تمام پہلو یک قلم فراموش کر دیئے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ حادثہ کربلا کی المناکیاں اور عبرت انگیزیاں ناقابل فراموش ہیں لیکن ہمارے جماعتی ذہن وفکر کی یہ بہت بڑی غفلت ہوگی اگر اس حادثہ کے استغراق میں تذکرہ واعتبار کے دوسرے پہلو فراموش کر دیے جائیں۔ یہ سنہ ہجری کے ساٹھویں برس کے ایک واقعہ کی تذکار ہے، لیکن خود سنہ وہجری کے پہلے برس کے تذکار سے کیوں چشم بصیرت بند کرلی جائے؟

سنہ ہجری کی ابتداء:

اسلام کے ظہور سے پہلے دنیا کی متمدن قوموں میں متعدد سنہ جاری تھے زیادہ مشہور یہودی، رومی اور ایرانی سنین تھے۔ عرب جاہلیۃ کی اندرونی زندگی اس قدر متمدن نہیں تھی کہ حساب وکتاب کی کسی وسیع پیمانے پر ضرورت ہوتی۔ اوقات ومواسم کی حفاظت اور یادداشت سے ملک کا کوئی مشہور واقعہ لے لیتے اور اسی سے وقت کا حساب لگا لیتے۔ منجملہ سنین جاہلیۃ کے عام الفیل تھا یعنی شاہ حبش کے حجاز پر حملہ کرنے کا سال، عرصہ تک یہی واقعہ عرب کے حساب وکتاب میں بطور سنہ کے مستعمل رہا۔ ظہور اسلام کے بعد یہ اہمیت خود عہد اسلام کے واقعات نے لے لی۔ صحابہ کرام ؓ کا قاعدہ تھا کہ عہد اسلامی کے واقعات میں جسے کوئی ایک اہم واقعہ لے لیتے اور اسی سے حساب لگاتے۔ ہجرت مدینہ کے بعد ہی سورۂ حج کی وہ آیت نازل ہوئی تھی جس میں قتال کی اجازت دی گئی تھی:

اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا و ان اللّٰه علی نصرهم لقدیر

(۳۹:۲۲)

اس لئے کچھ دنوں تک یہی واقعہ بطور ایک سنہ کے مستعمل رہا۔ لوگ اسے ''سنہ اذان'' سے تعبیر کرتے اور یہ تعبیر وقت کے ایک خاص عدد کی طرح یادداشت میں کام دیتی۔ اس طرح سورۂ برات کے نزول کے بعد ''سنہ برات'' کا بھی بول چال میں رواج رہا۔ عہد نبوی کا آخری سنہ ''سنۃ الوداع'' تھا۔ یعنی آنحضرت

ﷺ کے آخری حج کا واقعہ جو ''حجۃ الوداع'' کے نام سے مشہور ہوگیا اور ہجرت کے دسویں سال پیش آیا تھا۔ بعض روایات سے اس طرح کے متعدد سنوں کا پتہ چلتا ہے، مثلاً سنۃ التحمیص، سنۃ الترفئہ، سنۃ الزلزال، سنۃ الاستئناس بیرونی نے الآثار الباقیہ میں اس طرح کے دس سنوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک یہی حالت جاری رہی لیکن حضرت عمرؓ کی خلافت کا عہدہ شروع ہوا تو ممالک مفتوحہ کی وسعت اور دفاتر حکومت کے قیام سے حساب وکتاب کے معاملات زیادہ وسیع ہوئے اور ضرورت پیش آئی کہ سرکاری طور پر کوئی ایک سنہ قرار دے دیا جائے۔ چنانچہ اس معاملہ پر غور کیا گیا۔ اور سنہ ہجری کا تقرر عمل میں آیا۔ اس وقت تک واقعہ ہجرت پر سولہ برس گزر چکے تھے۔

ضرورت کا احساس اور صحابہؓ کا مشورہ:

سنہ ہجری کا تقرر کیوں کر عمل میں آیا؟ کیوں حضرت عمرؓ اور تمام صحابہؓ کا ذہن اس طرف گیا کہ اسلامی سنہ کی ابتداء واقعہ ہجرت سے کی جائے؟ یہ تاریخ اسلام کا ایک ضروری اور نتیجہ خیز مبحث تھا لیکن افسوس ہے کہ اس وقت تک نظر وفکر سے محروم رہا۔ اس بارے میں متعدد روایتیں منقول ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور روایت میمون بن مہران کی ہے جسے تمام مؤرخین نے نقل کیا ہے۔ خلاصہ: اس کا یہ ہے کہ:

''ایک مرتبہ ایک کاغذ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ جس میں شعبان کا مہینہ درج تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا شعبان سے مقصود کونسا شعبان ہے؟ اس برس کا یا آئندہ برس کا؟ پھر اپنے سربرآوردہ صحابہؓ کو جمع کیا اور ان سے کہا: اب حکومت کے مالی وسائل بہت زیادہ وسیع ہوگئے ہیں اور جو کچھ ہم تقسیم کرتے ہیں وہ ایک ہی وقت میں ختم نہیں ہوجاتا، اس لئے ضروری ہے کہ حساب وکتاب کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اوقات ٹھیک طور پر منضبط ہوسکیں۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ ایرانیوں سے مشورہ کرنا چاہئے ان کے یہاں اس کے طریقے کیا تھے؟ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ہرمزان کو بلایا۔ اس نے کہا ہمارے یہاں ایک حساب موجود ہے جسے ''ماہ روز'' کہتے ہیں۔ اسی ماہ روز کو عربی میں ''مؤرخ'' بنالیا گیا۔ پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اسلامی حکومت کی تاریخ کے لئے جو سنہ اختیار کی جائے، اس کی ابتداء کب سے ہو؟ سب نے اتفاق کیا کہ ہجرت کے برس سے کی جائے چنانچہ ہجری سنہ قرار پایا۔ (تاریخ کبیر۔ از ذہبی وتاریخ مصر از مقریزی) ابن حبان نے قرہ بن خالد سے ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے۔ اس میں ایک دوسرے واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ:

حضرت عمرؓ کے پاس یمن سے ایک عامل آیا تھا۔ اس نے کہا لکھنے پڑھنے میں آپ لوگ تاریخ نہیں لکھتے۔ اس طرح فلاں بات فلاں سنہ میں اور سنہ کے فلاں مہینے میں ہوئی؟ اس پر حضرت عمرؓ اور اور لوگوں کو اس معاملہ کا خیال ہوا۔ پہلے انہوں نے ارادہ کیا کہ آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے کے وقت سے سنہ کا حساب شروع کریں۔ پھر خیال ہوا کہ آپ کی وفات سے شروع کیا جائے۔ لیکن آخر میں یہ رائے قرار پائی کہ ہجرت سے سنہ کا تقرر ہو۔ (ذہبی ومقریزی) ان روایات کی مزید تشریح امام شعبی کی روایت سے ہوتی ہے جو محب طبری نے نقل کی ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ:

''ابوموسیٰ اشعری نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ آپ کی جانب سے ہمارے نام خطوط آتے ہیں مگر ان پر کوئی تاریخ نہیں ہوتی، اور یہ وقت وہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے حکومت کے مختلف دفاتر قائم کر دیے تھے اور خراج کے اصول وقواعد طے پا گئے تھے، اور اس لئے محسوس کر رہے تھے کہ ضبط اوقات کے لئے ایک خاص تاریخ قرار پا جائے۔ پرانی تاریخیں موجود تھیں لیکن وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ انہیں اختیار کریں۔ اب موسیٰ اشعری نے لکھا تو انہیں زیادہ توجہ ہوگئی۔ صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ مشورہ میں سب کی رائے یہی قرار پائی کہ ہجرت کا واقعہ بنیاد ٹھہرا کر سنہ ہجری اختیار کیا جائے۔''

ابو ہلال عسکری نے الاوائل میں اور مقریزی نے تاریخ میں حضرت سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ واقعہ ہجرت سے سنہ شروع کرنے کی رائے حضرت علیؓ نے دی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ: ''جب حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا کس دن سے تاریخ کا حساب شروع کیا جائے؟ تو حضرت علی نے فرمایا۔ اس دن سے جس دن آنحضرت ﷺ نے ہجرت کی اور مکہ سے مدینہ آئے''۔ (کتاب الاوائل قلمی ومقریزی طبع ثانی جلد۲، صفحہ ۵۶)

یعقوبی نے بھی اسے منجملہ ان امور کے قرار دیا ہے جو حضرت علیؓ کی رائے سے انجام پائے۔ ۱۶ھ کے واقعات میں لکھتا ہے:

''اسی زمانے میں حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ ضبط کتابت کے لئے ایک تاریخ قرار دی جائے۔ پہلے انہیں خیال ہوا آنحضرت ﷺ کی ولادت سے شروع کریں، پھر خیال کیا کہ آپ کی بعثت کے واقعہ سے ابتدا کی جائے، لیکن حضرت علیؓ نے رائے دی کہ ہجرت سے شروع کرنا چاہئے۔''

قومی سنہ کی ضرورت واہمیت:

ان روایات کے بعد ضروری ہے کہ بعض امور پر غور کیا جائے: سب سے پہلی بات جو سامنے آتی ہے، یہ ہے کہ حضرت عمر اور صحابہؓ نے یہ ضرورت کیوں محسوس کی کہ ایک نیا سنہ قرار دیا جائے؟ امام شعبی کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ تاریخ کے تعین وتقرر کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ لیکن پسند نہیں کرتے تھے کہ دوسری قوموں کی تاریخ اختیار کریں۔ پہلی روایت میں جس ہرمزان کو بلانے اور مشورہ کرنے کا ذکر ہے، یہ خوزستان کا بادشاہ تھا اور مسلمان ہوکر مدینہ میں مقیم ہوگیا تھا۔ حضرت عمرؓ کی مجالس شوریٰ میں اس کا بار بار ذکر آتا ہے (بلاذری وطبری وغیرہما)۔ بیرونی لکھتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے اس سے مشورہ کیا تو اس نے نہ صرف ایرانیوں کا طریقہ ہی بتلایا بلکہ رومیوں کے طریقہ کی بھی تشریح کی۔ ایرانیوں کے یہاں کا آخری سنہ یزدگرد کا سنہ تھا اور رومیوں کا مشہور سنہ سکندر کی پیدائش سے شروع ہوتا تھا۔ بعض صحابہ کو خیال ہوا انہی دونوں میں سے کوئی سنہ اختیار کرلیا جائے، لیکن حضرت عمرؓ اور اور لوگ اس سے متفق نہ ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایرانیوں اور رومیوں کے سنین مجمع صحابہؓ میں زیر بحث رہے اور بعضوں نے اسے اختیار کرنے کی رائے بھی دی، لیکن عام رجحان اسی طرف تھا کہ نیا سنہ مقرر کرنا چاہئے۔

اس حقیقت پر بھی نظر رہے کہ سنہ کی ضرورت اور استعمال کی بڑی جگہ حساب وکتاب کے دفاتر تھے اور حضرت عمرؓ نے یہ اتفاق صحابہؓ، دفاتر کے لئے وہی زبانیں اختیار کرلی تھی جو پیشتر سے مفتوحہ ممالک میں رائج تھیں۔ ایران کے لئے فارسی، شام کے لئے سریانی اور مصر کے لئے قبطی تھی (مسعودی وبلاذری) ظاہر ہے کہ جب دفاتر کے لئے ایران وشام کی زبانیں اختیار کرلی گئی تھیں تو قدرتی طور پر سنہ بھی وہی اختیار کرلینا تھا جو ان زبانوں کے حساب وکتاب میں رائج تھا اور اس کے قواعد بندھے چلے آرہے تھے، لیکن حضرت عمر اور صحابہ نے ایسا نہیں کیا۔ ایران وروم اور مصر کی زبانیں اختیار کرلیں مگر سنہ اپنا قائم کرنا چاہا۔ غور کرنا چاہئے، اس اجتناب کی علت کیا تھی؟

یہ علت تو قطعاً نہیں ہوسکتی کہ صحابہ کرامؓ محض قومی تعصب اور تنگ دلی کی بنا پر دوسری قوموں کی اچھی اور کارآمد باتوں سے بھی اجتناب کرتے تھے۔ اولاً تو اس بارے میں خود اسلامی احکام کا یہ حال ہے کہ رکاوٹ کی جگہ صریح ترغیب دی گئی ہے۔ ثانیاً اس عہد کے بے شمار واقعات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کے تعصبات کو اس وقت کے مسلمانوں کی ذہنیت میں کوئی جگہ نہیں ملی تھی۔ وہ دنیا

کے تمام علمی وتمدنی ذخیرہ کو خواہ کسی قوم اور ملک سے تعلق رکھتا ہو، اپنا قومی ورثہ سمجھتے تھے۔ خود اسی عہد میں حضرت عمرؓ نے بے شمار معاملات میں غیر قوموں کے علمی اور تمدنی اصول معلوم کئے ہیں اور ان میں جو باتیں کارآمد اور ضروری نظر آئی ہیں بلا تامل اختیار کر لی ہیں۔ جب کبھی کوئی ایسا معاملہ پیش آتا، وہ ایرانیوں، رومیوں اور مصریوں کو بہ اصرار طلب کراتے اور ان سے مشورہ لیتے۔ دفاتر حکومت کی تقسیم، خراج ومحصول کا تعین، اراضی کی پیمائش اور تشخیص، خزانہ کا قیام، حساب وکتاب کے اصول وقواعد اور اسی طرح کے بہت سے معاملات ہیں جن میں ایرانی اور رومی قواعد کا تتبع کیا گیا۔ فقہ کا ایک اہم باب فرائض ہے یعنی ورثہ کے اصول وقواعد، چونکہ اس کا تعلق فن حساب سے ہے اس لئے حضرت عمرؓ نے چاہا اس کے قواعد کی ترتیب و درستگی کیلئے ایک ماہر حساب سے مدد لی جائے۔ مؤرخین نے تصریح کی ہے کہ اس غرض سے ایک رومی مسیحی مدینہ میں طلب کیا گیا تھا۔ طلبی کے فرمان میں والی شام کو جو الفاظ لکھے تھے وہ یہ ہیں:

"ابعث لنا بروهي لنا حساب فرائضا"۔

ایک رومی کو بھیج دو تا کہ ہمارے فرائض کا حساب استوار کردے۔

(صراط مستقیم، حافظ ابن تیمیہ)

جب حضرت عمرؓ کو فرائض جیسے شرعی مسئلہ کے حساب میں ایک رومی عیسائی سے مدد لینا ناگوار نہ ہوا تو ظاہر ہے کہ ایرانی یا رومی سنہ کے اختیار کر لینے میں قومی تعصب کیوں مانع ہوتا جس کا تعلق صرف حساب وتاریخ سے ہے؟ پس یقیناً کوئی دوسری ہی علت ہونی چاہئے جس کی وجہ سے انھوں نے ایرانی اور رومی سنین جیسے مدون ورائج سنہ چھوڑ دیئے اور ایک نیا سنہ از سر نو قائم کیا۔

اصل یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم اور تربیت نے صحابہ کرامؓ کا دماغ جس سانچے میں ڈھال دیا تھا وہ ایسا سانچا تھا جس میں کوئی دوسرے درجہ کا خیال سما ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ صرف اول درجہ کے خیالات کے لئے تھا۔ بہت ممکن ہے کہ دنیا کے تمدنی علوم وفنون کے رائج ہونے کی وجہ سے وہ کوئی بات علمی طریقوں اور مصطلہ لفظوں میں نہ ادا کر سکتے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اوقات وہ ایک بات کی علت اس شکل و صورت میں نہ دیکھتے ہوں جس صورت میں آج دنیا دیکھ رہی ہے لیکن ان کی طبیعت کی افتاد اور ذہنیت کی روش کچھ اس طرح کی بن گئی تھی کہ جب کبھی کسی معاملہ پر سوچ بچار کرتے تھے تو خواہ علت وموجب سمجھ سکیں، لیکن دماغ جاتا اسی طرف تھا جو علم وحکمت کے بہتر سے بہتر اور بلند سے بلند پہلو ہو سکتے ہیں۔ یہی معنی ہیں انبیاء کرام کے مقام "تزکیہ" کے کہ "ویزکیهم و یعلم الکتاب والحکمه" (۲:۶۲) یعنی

دل ودماغ کی اس طرح تربیت کردی جاتی ہے کہ ایک موزوں اور مستقیم سانچا ڈھل جاتا ہے اب جب کبھی کوئی ٹیڑھی چیز اس میں رکھی جائے گی وہ قبول نہیں کرے گا، صرف سیدھی اور موزوں چیزیں ہی اس میں سما سکتی ہیں!

اسلام کی تربیت نے صحابہؓ کے دل ودماغ میں قومی شرف وخودداری کی روح پھونک دی تھی۔ قومی زندگی کی بنیادیں جن اینٹوں پر استوار ہوتی ہیں ان میں سے ایک ایک اینٹ کے لئے ان کے اندر پہچان اور لگاؤ تھا۔ اگر چہ وہ لفظوں اور تعبیروں میں نہیں بیان نہ کرسکیں۔ جب حضرت عمرؓ نے سنہ اور تاریخ کی ضرورت محسوس کی، تو اگر چہ متمدن اقوام کے سنیں رائج ومستعمل تھے، لیکن ان کی طبیعت ان کی طرف مائل نہ ہوسکی۔ اس لئے کہ ایسا کرنا نہ صرف قومی شرف خودداری کے خلاف تھا بلکہ قومی زندگی کی بنیادی اینٹوں میں سے ایک اینٹ کھودینی تھی۔

قومی زندگی کے بنیادی مقومات میں سے ایک نہایت اہم چیز سنہ اور تاریخ ہے جو قوم اپنا قومی سنہ نہیں رکھتی وہ گویا اپنی بنیاد کی ایک اینٹ نہیں رکھتی۔ قوم کا سنہ اس کی پیدائش اور ظہور کی تاریخ ہوتا ہے۔ یہ اس کی قومی زندگی کی روایات قائم رکھتا اور صفحہ عالم پر اس کے اقبال وعروج کا عنوان ثبت کردیتا ہے۔ یہ قومی زندگی کے ظہور وعروج کی ایک جاری وقائم یادگار ہے۔ ہر طرح کی یادگاریں مٹ سکتی ہیں لیکن یہ نہیں مٹ سکتی۔ کیونکہ سورج کے طلوع وغروب اور چاند کی غیر متغیر گردش سے اس کا دامن بندھ جاتا ہے اور دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی عمر بھی بڑھتی رہتی ہے۔ آج آگسٹس، بکرماجیت، جلال الدین، ملک شاہ، اور اکبر بادشاہ کے نام ان کے سنین کے اندر ہر روز ہمارے سامنے آتے ہیں، اور ہمارا حافظہ ان سے گردن نہیں موڑ سکتا!

ممکن نہ تھا کہ قومی زندگی کا ایک ایسا اہم معاملہ حضرت عمرؓ اور صحابہ کے سامنے آتا اور ان کا دماغ غلط فیصلہ کرتا۔ اگر ایسا ہوتا تو اسلام کی دماغی تربیت غلط ہوجاتی۔ کچھ ضروری نہیں کہ انہوں نے اپنے اس احساس کی کوئی توجیہ وتعلیل بھی کی ہو۔ نتائج تعبیر اور تعلیل سے نہیں بلکہ فعل صحیح سے پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ وہ اپنے اندر اس کے خلاف میلان پیدا نہ کرسکے وہ باوجود غیر قوموں کی ہر طرح کی علمی وتمدنی چیزیں قبول کرلینے کے ان کا سنہ قبول نہ کرسکے۔ خود بخود ان کی طبیعت کا فیصلہ یہی ہوا کہ قومی سنہ سب سے الگ اور ایسا ہونا چاہئے جس کی بنیاد اپنی تاریخ کے کسی قومی واقعہ پر ہو۔ انھوں نے اپنے دفتروں کے لئے ایرانیوں اور رومیوں کی زبان لے لی، ان کے حساب وکتاب کے قواعد قبول کرلئے، ان

کے حساب کی مصطلحات اور اشارات سے بھی انکار نہیں کیا، لیکن سنہ اور تاریخ لینے پر آمادہ نہ ہو سکے۔ یہ قومی زندگی کی بنیادی اینٹوں میں سے ایک اینٹ تھی، اس لئے ضروری تھا کہ یہ اپنی ہوا اور اپنے ہی ہاتھ سے رکھی جائے انھوں نے ایسا ہی کیا۔

متاخرین کی تعلیل وتوجیہ:

افسوس ہے کہ صدر اول کے مسلمانوں کی تاریخ کا چہرہ متاثرین کی نقاشیوں سے اپنے اصلی خال وخط کھو چکا ہے۔ ہر عہد کا مؤرخ دراصل اسی عہد کی دماغی آب وہوا کی مخلوق ہوتا ہے، اس لئے سلف کے واقعات کی تصویر کھینچتے ہوئے اسی رنگ وروغن سے کام لیتا ہے جو اس کے عہد کی آب وہوا مہیا کر سکتی ہے۔ اسلام کی حقیقی اجتماعی زندگی کا اصلی دور صحابہ کرامؓ کے عہد پر ختم ہو گیا اور اس کے بعد جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، اس دور کی معنوی خصوصیات مفقود ہوتی گئیں۔ متاخرین اہل نظر وقلم کا زمانہ آیا تو یہ وہ وقت تھا۔ جب صدر اول کی دماغی آب وہوا کی جگہ بالکل ایک مختلف قسم کی فضا نشوونما پا چکی تھی۔ اس لئے ان مصنفوں نے جب اس عہد کے حالات پر قلم اٹھایا، تو بجائے اس کے کہ اس عہد کا ذوق ومزاج پیدا کر کے اس کا مطالعہ کرتے، اپنے عہد کے پیدا شدہ ذوق کے رنگ میں اس کی ہر بات رنگ ڈالی۔ تاریخ ہی پر موقوف نہیں ہے ہر گوشہ تک اس معاملہ کے اثرات پہنچے حتیٰ کہ فقہ واحکام تک کا گوشہ اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اگر عہد صحابہؓ سے لے کر آخری عہد تدوین کتب تک کی کتابیں مسلسل موجود ہوتیں اور صدیوں کی ترتیب کے ساتھ ان پر نظر ڈالی جا سکتی تو صاف نظر آجاتا کہ صدر اول کے واقعات ومعاملات بعد کے ہر عہد میں نئے نئے لباس بدلتے آئے ہیں اور ان کی تعبیر والفاظ کی جزئیات میں ہر عہد کی ذہنی خصوصیات کا پرتو موجود ہے، مثلاً اگر تیرہ صدیوں کی تیرہ مسلسل تاریخیں موجود ہوتیں تو انگلی رکھ کر بتلا سکتے کہ صدر اول کے ایک ہی واقعہ نے اپنی جزئیات وصورت میں کس طرح تیرہ مختلف لباس پہن لئے ہیں؟

بطور مثال کے اسی واقعہ پر نظر ڈالی جائے: امام شعبی کی روایت میں صاف موجود ہے:

"ولم يجب التاريخات القديمه" یعنی حضرت عمرؓ ایک تاریخ کے تعین کی ضرورت محسوس کر رہے تھے مگر پسند نہیں کرتے تھے کہ قدیم تاریخیں اختیار کریں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ کسی دوسری قوم کی تاریخ کا اختیار کرنا پسند نہیں کرتے تھے اور یہ معاملہ ان کی نظر میں ایسا تھا جس کے لئے ضرورت تھی کہ مسلمانوں کی ایک قومی تاریخ قرار دی جائے، لیکن بعد کے مؤرخین نے اپنے ذوق ومیلان طبع کے مطابق

اس کی توجیہیں شروع کردیں۔ واقعہ کی اصلی علت پر تو نظر نہیں گئی نئے نئے معنی پہنانے لگے۔

میں یہاں صرف دو عہدوں کی دو مختلف نظروں کا ذکر کرونگا: علامہ مقریزی نے نویں صدی ہجری کے اوائل میں اپنی بے نظیر تاریخ مصر لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں حضرت عمرؓ اور صحابہؓ نے ایرانی اور رومی تاریخ پسند نہیں کی، کیونکہ دونوں کے حساب میں کبیسہ تھا۔ یعنی دورۂ ارضی کی کسر پوری کرنے کے لئے چند سالوں کے بعد مہینوں سے دنوں میں کمی بیشی، جس طرح کہ تقویم گریگوری میں ہر چوتھے سال ایک دن کی کمی کردی گئی ہے) چونکہ اسلام نے ''نسئ'' سے روکا تھا اور کبیسہ پر ''نسئ'' کا شبہ ہوسکتا تھا اس لئے مناسب نہ تھا کہ ایسا طریقہ اختیار کیا جاتا۔ مؤرخ موصوف کو یہ دور از کار دقیقہ سنجی اس لئے کرنی پڑی کہ قومی تقویم کی ضرورت واہمیت کے لئے ان کے ذہن میں کوئی جگہ نہ تھی اور چونکہ اور کوئی معقول تعلیل سمجھ میں نہیں آئی اس لئے ناچار ''نسئ'' کی شرعی ممانعت کی وادی میں پہنچ گئے، حالانکہ کسی اعتبار سے بھی یہ تعلیل لائق اعتنا نہیں۔ اول تو یہ ان روایات کے خلاف ہے جو اوپر گزر چکیں کیونکہ ان میں تمام قدیم تقویموں کی ناپسندیدگی کا ذکر ہے۔ نہ کہ کسی خاص تقویم کا۔ ثانیاً ''نسئ''، مصطلحہ جاہلیۃ اور ''کبیسہ'' مصطلحہ حساب قطعاً دو مختلف چیزیں ہیں۔ جس ''نسئ'' کو اسلام نے روکا اور قرآن نے کفر کی زیادتی سے تعبیر کیا، وہ یقیناً قمری مہینوں کی طبعی ترتیب کو اس طرح درہم برہم کردینا تھا کہ کبھی شعبان، محرم بن جاتا تھا اور کبھی رمضان، ذوالحج قرار پاجاتا تھا اور جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اعمال وطاعات کے معین اوقات الٹ پلٹ ہوجاتے تھے اور ان کے تقرر وتعین کی اہمیت ومصلحت باقی نہیں رہتی تھی، لیکن ''کبیسہ'' بالکل ایک دوسری چیز ہے۔ اس کا مقصد دوسرا ہے، اور اس کے اجراء کے نتائج دوسرے ہیں۔ اس کا کوئی اثر اس طرح کا مرتب نہیں ہوتا وہ محض اس لئے ہیں کہ سال بھر کے تین سو ساٹھ دن قرار دے دینے کے بعد جو کسر رہ جاتی ہے اسے کچھ عرصہ کے بعد پورا کردیا جائے تاکہ زیادہ مدت گزرنے کے بعد مہینوں اور برسوں کا فرق نہ بن جائے۔ پس کسی طرح بھی یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ حضرت عمرؓ اور اکابر صحابہؓ ''نسئ'' کی حقیقت سے اس درجہ بے خبر تھے کہ تقویم کے کبیسہ کو بھی ''نسئ'' سمجھ لیتے، یا انہیں ''کبیسہ'' پر ''نسئ'' کا شبہ ہوسکتا۔

یہ نویں صدی کی ابتداء تھی لیکن سو برس کے بعد یعنی ہزارویں صدی کے اوائل میں یہی واقعہ ایک دوسرا رنگ اختیار کرلیتا ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی سے تقویم کے متعلق ایک فروری، مارچ ۸۱ سوال کیا گیا تھا۔ اس کے جواب میں انہوں نے ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور صحابہ کرامؓ نے رومی اور ایرانی سنہ اختیار کرنے سے اس لئے اجتناب کیا کہ یہ عیسائیوں اور مجوسیوں کا سنہ

تھا اور اسلام نے انہیں روک دیا تھا کہ کفار کا طور طریقہ اختیار کر کے اس کے رواج وقبولیت کا باعث نہ ہوں۔اب غور کرو بات کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی؟ کجا کفار کے طور طریقہ سے اجتناب کا معاملہ اور کجا یہ معاملہ جو حساب وکتاب کے ایک علمی اصول وقواعد کا معاملہ ہے! حافظ موصوف نے یہ تعلیل کرتے ہوئے عہد فاروقی کی آدھی تاریخ فراموش کر دی۔اگر اس قسم کے معاملات میں غیر قوموں سے اخذ واستفادہ جائز نہ ہوتا تو حضرت عمرؓ بے شمار معاملات میں ایران وروم کے قدیم انتظامات اور تمدنی طریقوں سے فائدہ اٹھانا کیوں جائز رکھتے؟ یہ صحیح ہے کہ صحابہ کرامؓ کو غیر قوموں کی بہت سی باتوں سے اجتناب تھا۔یہ بھی واقعہ ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے بہت سی باتوں کو روکا اور عدم اتباع وتشبہ پر زور دیا، مگر وہ باتیں دوسری ہیں، ان کا محل دوسرا ہے، مقصد دوسرا ہے اور اثرات دوسرے ہیں۔اسی معاملہ سے اسے کیا تعلق؟

واقعہ ہجرت کا اختصاص:

اس جملہ معترضہ نے بہت طول کھینچا۔بہر حال اس معاملہ میں پہلی بات جو قابل غور تھی وہ قومی سن کا تقرر اور اس کی اہمیت کے احساس کا تھا۔بغیر کسی دور دراز توجیہ کے اختیار کئے، یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عمرؓ اور اور اکابر کی اس پہلو پر نظر تھی۔وہ محسوس کرتے تھے کہ قومی زندگی کی تقویم کیلئے قومی سن ضروری ہے اور اسلئے چاہئے کہ یہ باہر سے نہ لیا جائے۔اندر ہی تیار کیا جائے۔اس کے بعد دوسرا اہم نقطہ نظر، واقعہ ہجرت کا اختصاص ہے۔اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہئے کہ سنہ کی ابتداء قرار دینے کیلئے جس قدر بھی سامنے کی چیزیں ہوسکتی تھیں ان میں سے کسی چیز کی طرف ان کی نگاہ نہ گئی۔ہجرت کا واقعہ جو آغاز اسلام کی بے سروسامانیوں اور کمزوریوں کی یاد تازہ کرتا تھا اختیار کیا۔آخر اس کی علت کیا تھی؟

پچھلی تحریر میں یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ حضرت عمرؓ اور مجمع صحابہؓ نے ایک نئے سنہ کی ضرورت اس لئے محسوس کی کہ قومی زندگی کے قیام وتکمیل کے لئے قومی سنہ کی ضرورت تھی اور اسلام کی تعلیم وتربیت نے ان کی قومی ذہنیت کا جو مزاج پیدا کر دیا تھا اس کا مقتضی یہی تھا کہ اس ضرورت کی کھٹک طبیعتوں میں پیدا ہوتی۔لیکن اس کے بعد معاملہ کا سب سے ضروری سوال سامنے آتا ہے: سوال یہ ہے کہ قومی سنہ قرار دینے کیلئے سامنے کی جتنی چیزیں بھی ہوسکتی تھیں، ان میں سے کوئی چیز جو بہ ظاہر اس غرض کیلئے کوئی مناسبت نہیں رکھتی ان کے سامنے آگئی اور اس پر سب کا اتفاق ہوگیا۔آخر اس کی علت کیا ہے؟

مسلمانوں کا قومی سنہ قرار دینے کے لئے قدرتی طور پر جو چیزیں سامنے کی تھیں وہ اسلام کا

ظہور تھا۔ داعی اسلام کی پیدائش تھی، نزول وحی کی ابتداء تھی، بدر کی تاریخی فتح تھی، مکہ کا فتحمد انہ داخلہ تھا، حجۃ الوداع کا اجتماع تھا جو اسلام کی ظاہری اور معنوی تکمیل وفتح کا آخری اعلان تھا۔ لیکن ان تمام واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی اختیار نہیں کیا گیا۔ ہجرت مدینہ کی طرف نظر گئی جو نہ تو کسی پیدائش کا جشن ہے، نہ کسی ظہور کی شوکت، نہ کسی جنگ کی فتح ہے، نہ کسی غلبہ وتسلط کا شادیانہ، بلکہ اس زمانہ کی یاد تازہ کرتا ہے جب آغاز اسلام کی بے سروسامانیاں اس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ داعی اسلام کے لئے اپنے وطن میں زندگی بسر کرنا بھی ناممکن ہوگیا تھا بیچارگی اور مظلومیت کی انتہا تھی کہ اپنا وطن، اپنا گھر، اپنے عزیز واقارب اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر، صرف ایک رفیق غمگسار کے ساتھ، رات کی تاریکی میں، رہسپار دشت غربت ہوا تھا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قسم کے معاملات میں قدرتی طور پر دوسری قوموں کے نمونے سامنے آیا کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ اور صحابہؓ کے سامنے بھی یہ نمونے موجود تھے لیکن وہ ان کی تقلید پر آمادہ نہ ہوسکے اور انہوں نے بالکل ایک دوسری ہی راہ اختیار کی۔

دنیا کے قومی سنین:

قومی سنہ، دراصل قوم کی پیدائش اور عروج واقبال کی تاریخ ہوتا ہے۔ اس کے ذریعہ قومیں اپنی تاریخ کا سب سے زیادہ اہم اور بنیادی واقعہ یاد رکھنا چاہتی ہیں۔ اس کا دور ہر بارہ مہینے کے بعد ختم ہوتا اور ازسرنو شروع ہوتا ہے اور اس طرح سال نو کی مسرتوں کے ساتھ اس کی تاریخی روایات کی شادمانیاں بھی تازہ ہوجاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جس قدر سنہ رائج ہوئے سب کی بنیاد کسی ایسے واقعہ پر نظر آتی ہے جس سے کسی قومی فتح واقبال کا آغاز ہوا ہے۔ چونکہ اس طرح کا آغاز عموماً کسی بڑے انسان کی پیدائش سے ہوا ہے یا کسی بڑے بادشاہ کی تخت نشینی سے، یا کسی بڑی جنگ کی فتح اور کسی نئی سرزمین کے قبضہ وتسلط سے، اس لئے دنیا کے اکثر سنوں کی ابتداء مشاہیر اور اکابر کی پیدائش اور تخت نشینی ہی سے ہوتی ہے۔ البیرونی نے آثار الباقیہ نامی کتاب صرف سنین وتواریخ کے موضوع پر لکھی ہے اور اس درجہ سے لکھی ہے کہ آج بھی اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی جاسکتی، وہ دنیا کے تمام سنین کا استقصار کر کے لکھتا ہے۔

قوموں کا طریقہ اس بارے میں یہ رہا ہے کہ بانیان حکومت ومذاہب کی پیدائش بادشاہوں کی تخت نشینی، انبیاء کی بعثت، ملکوں کی فتح وتسخیر، سلطنت کے انقلاب وانتقال اور حوادث عظیمہ ارضیہ سے تواریخ وسنین کی ابتداء کیا کرتے ہیں۔

قدیم سنوں میں بابلی، یہودی، رومی، مسیحی، ہندوستانی، اور ایرانی سنین سب سے زیادہ مشہور و مستعمل رہے ہیں۔ ان سب کی ابتداء کسی ایسے ہی واقعہ سے ہوتی ہے۔ بابلی سنہ کی بنیاد بخت نصر اول کی پیدائش پر رکھی گئی تھی کیونکہ اس کے ظہور سے بابل کی عظمت کا آغاز ہوا۔ یہودیوں نے پہلے مصر سے خروج کے واقعہ پر سنہ کی بنیاد رکھی تھی۔ کیونکہ اسی واقعہ سے ان کی قومی آزادی کا دور شروع ہوتا تھا۔ پھر جب فلسطین میں یہودی حکومت قائم ہوگئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخت نشینی سے بھی سنہ کا حساب کرنے لگے، پھر ہیکل کی بربادی کے بعد جب دوبارہ تعمیر کا واقعہ ظہور میں آیا تو چونکہ اس سے یہودیوں کے اجتماع وتوطن کا نیا دور شروع ہوتا تھا اس لئے اس کی یادآوری کے جذبہ نے تاریخ وسنہ کی صورت اختیار کرلی۔ رومیوں کا سب سے زیادہ مشہور سنہ اسکندری سنہ ہے جو سکندر فاتح کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ پھر آگسٹس کی پیدائش سے نیا سنہ شروع ہوا جس کی فتح مندیوں نے رومی عظمت کا نیا دور شروع کردیا تھا۔ مسیحی سنہ کا تو نام ہی میلادی سنہ ہے یعنی اس کی ابتداء حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے واقعہ پر رکھی ہے۔

ہندوستان میں جہاں ہر گروہ کے لئے الگ الگ زبان اور الگ الگ پیشہ قرار دیا گیا تھا وہاں مختلف حلقوں کے لئے مختلف سنہ بھی قرار پاگئے تھے۔ جوتشیوں نے اپنے حساب کے لئے خاص جوتشی سنہ قرار دیا تھا۔ عوام اپنی یادداشت کے لئے الگ سنہ رکھتے تھے۔ حکومتوں اور بادشاہوں کے سنہ ان کے لئے مخصوص تھے۔ مگر ان سب کی بنیاد کسی نہ کسی ایسے ہی واقعہ پر تھی۔ **آخری سنہ جو سب سے زیادہ مشہور ہوا اور آج تک مستعمل ہے، بکرماجیتی سنہ ہے اور یہ راجہ بکرماجیت سے شروع ہوتا تھا۔** ایرانیوں میں بھی جس قدر سنہ رائج ہوئے سب کی ابتداء پیدائش، تخت نشینی اور کسی ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں انتقال حکومت کا واقعہ ہے۔ اس رسم کی بنیاد ایرانیوں ہی نے ڈالی کہ ہر بادشاہ پچھلا سنہ منسوخ کرکے اپنی تخت نشینی کا نیا سنہ جاری کرے اور اسے سنہ جلوس کہا جائے۔ مسلمانوں اور ایرانیوں میں جب جنگ ہوئی ہے تو ایران کا سرکاری سنہ یزدگرد آخری فرماں روائے ایران کا سنہ جلوس تھا۔

حضرت عمرؓ کا تردد:

ان روایات سے جو پچھلی تحریریں درج ہوچکی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو بھی ابتدا میں خیال ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش یا بعثت کے وقت سے سنہ کی ابتداء کی جائے سعید بن مسیب اور یعقوبی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے مشورہ کیا تو ان کی رائے یہ ہوئی کہ واقعہ ہجرت

سے ابتداء کرنی چاہئے۔ یہ بات آپ کے دل میں اتر گئی اور صحابہؓ بھی اس سے متفق ہو گئے۔ ابن مہران کی روایت میں ہے کہ مبدء تاریخ کے بارے میں حسب معمول صحابہؓ سے مشورہ کیا گیا تھا، مختلف رائیں لوگوں نے دیں۔ بالآخر سب اس پر متفق ہو گئے کہ واقعہ ہجرت سے ابتداء کی جائے: **فاتفقوا علی ان یکون المبدء من الهجرة.** ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ پر اچھی طرح غور وفکر کیا گیا تھا اور ہر طرح کی رائیں ظاہر ہوئی تھیں۔ چونکہ سامنے کی صاف بات یہی تھی کہ آنحضرتؐ کی ولادت یا بعثت سے تاریخ شروع کی جائے جو ظہور اسلام کی اصلی بنیاد ہے، اس لئے حضرت عمرؓ کا خیال ابتدا میں اسی طرف گیا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کوئی بات اس میں ایسی تھی کہ آپ کی طبیعت کو اس پر انشراح نہیں ہوتا تھا، متردد تھے، بات قرینہ کی تھی لیکن دل میں بیٹھتی نہ تھی۔ بالآخر مزید مشورہ کیا اور حضرت علیؓ نے رائے دی کہ واقعہ ہجرت سے ابتدا کرنی چاہئے۔ یہ رائے اتنی بہتر اور جچی تلی تھی کہ فوراً حضرت عمرؓ کے دل میں اتر گئی اور تمام اکابر صحابہ بھی اس پر متفق ہو گئے۔ گویا ایک بھولی ہوئی بات تھی جو سب کے حافظہ میں تازہ ہو گئی۔ اب معلوم کرنا چاہئے کہ واقعہ ہجرت کی وہ کون سی مناسبت تھی جس نے حضرت علیؓ کو (کہ مدینہ نبوت کے باب اور حکمت وسنۃ رسالت کے محرم اسرار تھے) اس طرف توجہ دلائی؟ اور پھر وہ کون سی ایسی مشہور ومعلوم خصوصیت تھی جس کی وجہ سے اتنی دور کی بات تمام اکابر صحابہؓ کے فہم میں فوراً در آئی اور اس طرح تسلیم کر لی گئی، جیسے ایک مسلم اور طے شدہ بات ہو؟

واقعہ ہجرت صحابہؓ کی نظر میں:

ہاں، آج ہمارے لئے (کہ اسلام کے صدر اول کا دماغ اور روح دونوں کھو چکے ہیں) یہ بات کتنی ہی تعجب انگیز ہو مگر صحابہ کرامؓ کے لئے جو اسلام کے بخشے ہوئے دل اور اس کے بنائے ہوئے دماغ، دونوں کے مالک تھے، یہ بات اتنی صاف، اتنی کھلی ہوئی اور اس طرح جانی بوجھی ہوئی تھی کہ اس کی طرف صرف ایک اشارہ کر دینا ہی کافی تھا۔ داعی اسلام کے تزکیہ وتربیت اور درس کتاب وحکمت نے ان کے اندر ایک ایسا صالح مزاج پیدا کر دیا تھا کہ کوئی بات خواہ کتنی ہی سامنے کی اور مقبول ومعمول کیوں نہ ہو لیکن اگر حقیقت اور دانائی کی گہرائیوں سے ذرا بھی ہٹی ہوئی ہوتی تھی تو فوراً ان کی طبیعت میں کھٹک پیدا ہو جاتی تھی اور پھر جمتی تھی تو اس وقت جب اصلی اور کامل چیز سامنے آجاتی تھی۔ تم ان لوگوں کی نیکیاں اور پاکیاں ہمیشہ یاد رکھتے ہو، لیکن تم نے ان کے علم ودانائی کی گہرائیاں بھلا دی ہیں، حالانکہ صرف ان کے

دل ہی زیادہ نیک نہ تھے بلکہ ان کی دانائی وحکمت بھی سب سے زیادہ گہری تھی۔ جیسا کہ خود انہی میں سے ایک حقیقت شناس انسان نے کہا تھا:

اولائک اصحاب محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم. کانوا افضل هذه الامة و ابرها قلوبا، واعمقها علما، و اقلها تکلفا، اختارهم اللّٰہ لصحبة نبیه و لاقامة دینه (عن عبداللہ ابن مسعود، رواہ الدارمی)

اس بارے میں قوموں کا طریقہ ان کے سامنے آیا اور خود انہیں بھی یہ بات صاف دکھائی دی کہ داعی اسلام کی پیدائش یا بعثت کو اپنی قومی تاریخ کی بنیاد ٹھہرائیں، لیکن چونکہ یہ بات اس معیار نظر سے ہٹی ہوئی تھی جو اس طرح کے معاملات میں اسلام نے قائم کیا تھا، اس لئے نہایت واضح اور نمایاں ہونے پر بھی ان کی طبیعت کو مطمئن نہ کرسکی۔ وہ محسوس کرنے لگے کہ کوئی دوسری بات ہونی چاہئے۔ وہ دوسری بات کیا تھی؟ ہجرت مدینہ کا واقعہ۔ جوں ہی یہ بات سامنے آئی، سب کے دلوں نے قبول کرلی۔ تاریخ کا یہ مبداء دنیا کی تمام تاریخوں اور قومی یادگاروں کے خلاف تھا۔ صرف خلاف ہی نہ تھا بلکہ صریح الٹا تھا۔ دنیا کی تمام قومیں فتح واقبال سے اپنی تاریخ شروع کرتی ہیں۔ انہوں نے بیچارگی ودرماندگی کے واقعہ سے اپنی تاریخ شروع کی۔ دنیا کی تمام قوموں نے چاہا اپنے ظہور کی سب سے بڑی فتح یاد رکھیں۔ دنیا کی تمام قوموں کا فیصلہ یہ تھا کہ ان کی قومی تاریخ اس وقت سے شروع ہو، جب ان کی تاریخ کا سب سے بڑا انسان پیدا ہوا اور اس نے جنگ وقتال کے میدانوں میں فتح حاصل کی۔ لیکن ان کا فیصلہ یہ تھا کہ قومی تاریخ کی ابتدا اس دن سے ہو، جب بڑے انسان کی نہیں بلکہ سب سے بڑے عمل کی پیدائش ہوئی اور جنگ کے میدانوں میں نہیں بلکہ صبر واستقامت کے میدانوں میں فتح حاصل ہوئی۔ دنیا کی تمام قوموں کا یقین تھا کہ ان کی طاقت وشوکت کی بنیاد اس وقت پڑی جب انہوں نے ملکوں اور سلطنتوں پر قبضہ کرلیا۔ ان کا یقین یہ تھا کہ طاقت وشوکت کا دروازہ اس دن کھلا جب ملکوں پر انہوں نے قبضہ نہیں کیا بلکہ اپنا ملک ووطن بھی ترک کردیا۔ بلاشبہ ان کی یہ سمجھ دنیا کی ساری قوموں سے الٹی سمجھ تھی، لیکن اس سمجھ سے عین مطابق تھی جو اسلام کی تربیت نے ان کے اندر پیدا کردی تھی، وہ اپنی اجتماعی زندگی کی تعمیر قوموں کی تقلید سے نہیں بلکہ اسلام کی روح فکر وعمل سے کرنا چاہتے تھے۔

مصیبت یہ ہے کہ دنیا معنی سے زیادہ لفظ کی اور روح سے زیادہ جسم کی پرستار ہے، وہ پھل ڈھونڈتی ہے لیکن تخم کی جستجو نہیں کرتی، وہ منارۂ محراب کی بلندیاں اور خوشنمائیاں دیکھتی ہے لیکن زیر زمین

بنیادوں کے لئے نگاہ نہیں رکھتی، صحابہ کرامؓ نے جب پیدائش و بعثت کے واقعات عظمیہ ترک کر کے ہجرت کا واقعہ انتخاب کیا تو ان کی نظر بھی پیدائش وظہور، فتح واقبال اور جشن وکامرانی ہی پر تھی وہ کچھ ناکامی ونامرادی کے طلبگار نہ تھے۔ البتہ وہ فتح واقبال کی صورت اور برگ و بار نہیں دیکھتے تھے، حقیقت اور تخم واساس پر نظر رکھتے تھے۔ ان پر حقیقت کھل چکی تھی کہ اسلام کی پیدائش وظہور اور فتح واقبال کی اصلی بنیاد ان واقعات میں نہیں جو بظاہر نظر آتے ہیں، ہجرت مدینہ اور اس کے اعمال وحقائق میں ہے۔ اس لئے جو اہمیت دنیا کی نگاہیں پیدائش، بعثت، بدر اور فتح مکہ کو دیتی تھیں۔ وہ ان کی نظروں میں ہجرت مدینہ کو حاصل تھی۔

ہجرت نبوی کی حقیقت:

لیکن واقعہ ہجرت کیا تھا؟ وہ ایک ہی واقعہ نہ تھا بے شمار اعمال و وقائع کا مجموعہ تھا۔ ایک لمحہ کے لئے اس کی حقیقت پر بھی غور کر لینا چاہئے۔ اسلام کے ظہور کی تاریخ دراصل دو بڑے اور اصولی عہدوں میں منقسم ہے، ایک عہد، مکہ کی زندگی اور اعمال کا ہے، دوسرا، مدینہ کے قیام اور اعمال کا۔ پہلا آنحضرت ﷺ کی بعثت سے شروع ہوتا ہے اور ہجرت پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ابتدا غار حراء کے اعتکاف سے ہوتی ہے اور تکمیل غار ثور کے انزوا پر۔ دوسرا ہجرت سے شروع ہوتا ہے اور حجۃ الوداع پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ابتدا مدینہ کی فتح سے ہوئی اور تکمیل مکہ کی فتح پر۔

دنیا کی نظروں میں اسلام کے ظہور واقبال کا اصلی دور، دوسرا دور تھا، کیونکہ اسی دور میں اسلام کی پہلی غربت ختم ہوئی اور ظاہری طاقت وحشمت کا سروسامان شروع ہوا۔ بدر کی جنگی فتح ہتھیاروں کی پہلی فتح تھی۔ مکہ کی فتح، عرب کی فتح کا اعلان عام تھا۔ لیکن خود اسلام کی نظروں میں اس کی زندگی کا اصلی دور، دوسرا نہیں پہلا تھا۔ وہ دیکھتا تھا کہ اس کی ساری قوتوں کی بنیادیں دوسرے میں نہیں پہلے دور میں استوار ہوئی ہیں۔ بلاشبہ بدر کے ہتھیاروں نے اپنی غیر مسخر طاقت کا دنیا میں اعلان کر دیا لیکن جو ہاتھ ان ہتھیاروں کے قبضوں پر جمے تھے، ان کی طاقتیں کس میدان میں تیار ہوئی تھیں؟ بلاشبہ مکہ کی فتح عرب کی فیصلہ کن فتح تھی لیکن اگر مدینہ کی فتح ظہور میں نہ آتی تو مکہ کی فتح کی راہ کیوں کر کھلتی؟ یہ سچ ہے کہ مکہ ہتھیاروں سے فتح ہوا، لیکن مدینہ ہتھیاروں سے نہیں بلکہ ہجرت اور اس کے دور کے اعمال سے فتح ہوا تھا۔ پس دوسرے دور میں جسم کتنا ہی طاقتور ہو گیا ہو لیکن اس کی روح پہلے ہی دور میں ڈھونڈنی چاہئے!

پہلا دور ختم تھا دوسرا اس کے برگ و بار تھے، پہلا دور بنیاد تھی دوسرا ستون ومحراب تھا، پہلا

نشوونما کا عہد تھا دوسرا ظہور وافتخار کا، پہلا معنی وحقیقت تھا دوسرا صورت واظہار، پہلا روح تھا دوسرا جسم، پہلے نے پیدا کیا درست کیا اور مستعد کر دیا۔ دوسرے نے قدم اٹھایا، آگے بڑھا اور فتح وتسخیر کا اعلان کر دیا۔ دوسرے کا ظہور کتنا ہی شاندار ہو لیکن اولین بنیاد واستعداد کی عظمت پہلے ہی کو حاصل ہے!

استعداد داخلی وخارجی:

وجود اور زندگی کے ہر گوشہ کے لئے خدا کا قانون وجود ایک ہی ہے۔ تم اس کے کتنے ہی مختلف نام رکھ دو مگر وہ خود ایک سے زیادہ نہیں ہے۔ اب ایک لمحہ کے لئے ٹھہرو اور غور کرو کہ تخلیق وتکمیل وجود کے لئے خدا کا قانون حیات کیا ہے؟ فرد کی طرح جماعت کا بھی وجود ہے۔ عالم صورت کی طرح عالم معنی بھی اپنی ہستی رکھتا ہے، لیکن کوئی چیز ہو تخلیق وتکمیل کے لئے ضروری ہے کہ یکے بعد دیگرے دو مختلف دوروں سے گزرے۔ پہلا دور ''استعداد داخلی'' کا ہے دوسرا ''استعداد خارجی'' کا ضروری ہے کہ پہلے اندر کی استعداد وجود میں آئے، اور ضروری ہے کہ اندر کی استعداد کی تکمیل کے ساتھ ہی باہر کی استعداد بھی اس کے اندر پیدا ہو جائے۔

بہر حال دنیا میں ہر چیز کی تخلیق وتکمیل کے لئے ضروری ہے کہ اس میں کارخانہ فیضان فطرت سے اکتساب فیض کی صحیح استعداد پیدا ہو اور اس استعداد کے ظہور کا پہلا محل اندرونی ہے دوسرا بیرونی۔ جب تک کوئی چیز اپنے اس پہلے دور میں صحیح استعداد پیدا نہیں کر لے گی دوسرے دور کی استعداد پیدا نہیں کر سکتی۔ خارج کے نشوونما کے لئے داخل کا نشوونما، بمنزلہ سبب وعلت ہے۔ جب تک سبب موجود نہ ہوگا، نتائج ظہور میں نہیں آئیں گے۔

جس طرح اشیاء وافراد کے جسم کی داخلی استعداد کا دارومدار ان کے اندر ہی اندر نشوونما پانے اور اندر ہی اندر پکنے پر ہے، اسی طرح فرد اور جماعت کی دماغی اور اخلاقی استعداد کا دارومدار ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت پر ہے جسے قرآن حکیم نے اپنی اصطلاح میں ''تزکیہ'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ ''تزکیہ اخلاق ونفس'' سے مقصود یہ ہے کہ ایک جماعت کو بہ حیثیت ایک جماعت کے جس طرح کے ذہن ومزاج کی ضرورت ہے وہ اس کے ایک ایک فرد کے اندر پیدا کر دیا جائے اور اس رسوخ ونفوذ کے ساتھ پیدا کر دیا جائے، گویا ایک آہنی کالبد لے کر ان میں سے ہر فرد کا دل ودماغ اس میں ڈھال دیا گیا ہے۔ جس طرح عالم اجسام میں جسم کی بہتر خلقت اور بہتر نشوونما، طاقت وبرتری کا موجب ہوتی، اسی طرح قوموں اور

جماعتوں کے لئے ان کے افراد کا اخلاق اور اخلاق کی بہتر قسم اور بہتر نشو ونما جماعتی طاقت اور برتری کا باعث ہوتی ہے۔ یہی اخلاق ''جماعت'' کی زندگی کی اصلی استعداد ہے۔ اسی استعداد سے وہ سب کچھ پاتی ہیں اور بغیر اس استعداد کے کچھ بھی نہیں کرسکتیں۔ تزکیہ نفوس کا عمل یہی استعداد پیدا کرتا ہے۔ اسی کی تولید وتکمیل جماعتوں اور قوموں کی ''داخلی استعداد،، ہے۔

پہلا دور داخلی استعداد کا دور تھا:

ظہور اسلام کا پہلا دور جو بعثت سے شروع ہوکر ہجرت پر ختم ہوا اور جس کا نقطہ تکمیل ہجرت کا معاملہ تھا، دراصل جماعت کی داخلی استعداد کا دور تھا۔ اور اس لئے ظہور اسلام کی تمام فتح مندیوں اور کامرانیوں کا مبدء یہی دور تھا، نہ کہ مدنی زندگی کا دوسرا دور اور بے چارگیوں اور درماندگیوں کا تسلسل تھا لیکن باطن امت مسلمہ کی برآنے والی فتحمندی اسی کی مصیبتوں اور کلفتوں کے اندر نشو ونما پارہی تھی۔ یہی مصیبتیں تھیں جو ''جماعت'' کے ذہن واخلاق کے لئے تعلیم وتربیت کا مدرسہ اور تزکیہ نفوس وارواح کی امتحان گاہ تھیں۔ بدر کے فتح منداسی کے اندر سبق لے رہے تھے۔ فتح مکہ کے کامران اسی کے اندر بن اور ڈھل رہے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یرموک اور قادسیہ کی پیدائش بھی اسی کی آزمائشوں اور خودفروشیوں میں ہورہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس جہاد کو تو صرف جہاد کہا جو مدنی زندگی میں اسلحہ جنگ سے کرنا پڑا تھا لیکن نفس واخلاق کے تزکیہ وتربیت کا جو جہاد اس پہلے دور میں ہورہا تھا، اسے ''جہاد کبیر'' سے تعبیر کیا، کیونکہ فی الحقیقت بڑا جہاد یہی جہاد تھا:

فلا تطع الکافرین و جاھدھم بہ جھادا کبیرا (۲۵:۵۳)

بالاتفاق سورۂ فرقان مکی ہے۔ مکی زندگی میں جس بڑے جہاد کا حکم دیا گیا تھا ظاہر ہے کہ وہ قتال کا جہاد نہ تھا۔ صبر واستقامت اور عزم وثبات کا جہاد تھا اور انہی اوصاف میں جماعت کی داخلی استعداد کی اصلی بنیادیں تھیں۔

ہجرت تکمیل کار کا اعلان تھی:

ہجرت کا واقعہ اس دور کی مصیبتوں کی انتہا تھا۔ اس لئے اس کی برکتوں اور سعادتوں کی بھی آخری تکمیل تھا۔ صحابہ کرامؓ اس حقیقت سے بے خبر نہ تھے اور کیونکر بے خبر ہوسکتے تھے جبکہ ان کی دماغی

تربیت کی اصلی روح اسی معاملہ میں مضمر تھی؟ پس جب یہ سوال سامنے آیا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا کس واقعہ سے کی جائے؟ تو انہیں کسی ایسے واقعے کی جستجو ہوئی جو امت کے قیام و اقبال کا اصلی سرچشمہ ہو۔ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کا واقعہ یقیناً سب سے بڑا واقعہ تھا لیکن اس کے تذکار میں شخصیت سامنے آتی تھی۔ شخصیت کا عمل سامنے نہیں آتا تھا۔ بعثت کا واقعہ بھی سب سے بڑا واقعہ تھا لیکن وہ معاملہ کی ابتدا تھی، انتہا و تکمیل نہ تھی۔ بدر کی جنگ اور مکہ کی فتح عظیم واقعات تھے لیکن وہ اسلام کی فتح و اقبال کی بنیاد نہ تھے۔ کسی دوسری بنیاد کے نتائج وثمرات تھے۔ یہ تمام واقعات ان کے سامنے آئے، لیکن ان میں سے کسی پر بھی طبیعتیں مطمئن نہ ہوسکیں۔

بالآخر جب ہجرت کا واقعہ سامنے آ گیا، تو سب کے دلوں نے قبول کرلیا، کیونکہ انہیں یاد آ گیا اسلام کے ظہور وعروج کا مبداء حقیقی اسی واقعہ میں پوشیدہ ہے۔ اور اس لئے یہی واقعہ ہے جسے اسلامی تاریخ کا مبداء بننا چاہئے۔

ہجرت مدینہ کی فتح تھی:

اور پھر یہ حقیقت کس درجہ واضح ہوجاتی ہے جب اس پہلو پر نظر ڈالی جائے کہ ظہور اسلام کی تمام فتح مندیوں میں سب سے پہلی فتح مدینہ کی فتح تھی اور اس کی تکمیل ہجرت ہی کے واقعہ سے ہوئی۔ تمہیں مدینہ کے ساتھ ''فتح'' کا لفظ سن کر تعجب ہوا ہوگا کیونکہ تم صرف اسی فتح کے شناسا ہو جو جنگ کے میدانوں میں حاصل کی جاتی ہے لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ میدان جنگ کی فتح سے بھی بڑھ کر دلوں کی آبادیوں اور روحوں کی اقلیتوں کی فتح ہے اور اسی فتح سے میدان جنگ کی فتح مندی بھی حاصل ہوتی ہیں۔ عین اس وقت جبکہ اسلام کا داعی اپنے وطن اور اہل وطن کی شقاوتوں سے مایوس ہوگیا تھا۔ باشندگان یثرب کی ایک جماعت پہنچتی ہے اور رات کی تاریکی میں پوشیدہ ہوکر اپنی روح کا ایمان اور دل کی اطاعت پیش کرتی ہے اس وقت دنیوی جاہ وجلال کا نام ونشان نہیں ہوتا، سیف وسناں کی ہیبت و جبروت کا وہم وگمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ سرتاسر غربت اولیٰ کی بے سروسامانیاں اور عہد مصائب ومحن کی درماندگیاں ہوتی ہیں۔ بایں ہمہ یثرب کی پوری آبادی اس کے سامنے جھک جاتی ہے اور ایمان کے ایسے جوش اور عشق و اطاعت کی ایسی خودفروشیوں کے ساتھ اس کے استقبال کے لئے تیار ہوجاتی ہے جو تاریخ عالم کے کسی بڑے سے بڑے فاتح اور شہنشاہ کو بھی میسر نہ آئی ہوگی۔

☆ بہ شیرین زبانی ولطف وخوشی.....توانی کہ پیلی بہ مویی کشی ☆

دلوں اور روحوں کی اس فتح وتسخیر سے بڑھ کر بھی اور کوئی فتح ہوسکتی تھی؟ لیکن یہ فتح کیوں کر ہوئی؟ دور ہجرت کے آلام ومحن میں اس کا آغاز ہوا اور ہجرت نے اس فتح کی تکمیل کردی!

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے واقعہ ہجرت کا ذکر اس طریقہ پر کیا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بے سروسامانی وغربت کے اس عمل ہی میں فتح ونصرت الٰہی کی سب سے بڑی معنویت پوشیدہ تھی: ''غار کے دوساتھیوں میں سے جب ایک نے دوسرے سے کہا۔غم ورنج نہ کرو یقیناً خدا ہمارے ساتھ ہے، اور اس کی مشیت وحکمت ہمارے لئے فتح ونصرت کی راہ باز کرنے والی ہے پھر ایسا ہوا کہ خدا نے اپنی تسکین وطمانیت اس پر اتاردی اور فتح ونصرت کے ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جنہیں دنیا کی ظاہر بیں اور حقیقت سے ناآشنا آنکھیں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔نتیجہ یہ نکلا کہ ان سرکشوں کی بات جوانکار کرتے تھے، ہمیشہ کے لئے پست ہوگئی اور کلمہ حق ہی کو سربلندی اور کامیابی حاصل ہوئی۔'' یہ آیت سورۂ برات کی ہے، سورۂ برات بالاتفاق اس وقت نازل ہوئی ہے جب اسلام کی ظاہری فتحمندیاں تکمیل تک پہنچ چکی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی تمام فتح مندیوں کے ظہور کے بعد بھی اس کی ضرورت باقی تھی کہ واقعہ ہجرت کی فتح مندی یاد دلائی جائے۔یہی سبب سن ہجری کے تعین کا ہم سمجھے ہیں۔واللہ اعلم بالصواب.....

WOULD YOU LIKE TO KNOW SOMETHING ABOUT ISLAM ?

By : Mohammad M. Ahmed

Really a book that tells you everything about Islam being criticized in the western society.

The book that clears up the misconceptions and misunderstandings about Islam.

The book bridges the gap between Muslims & Non Muslims.

Published by: Crescent Book Inc. P.O.Box 786Wingdale NY 12594-1435 www.crescesnt-books.com

E.mail: info@crescent-books.com